مصر میں عربوں کی آمد اور انتظامی نظم ونسق

محمد انس حسان*

شام وعراق کی فتح کے بعد جب مسلمانوں نے گردوپیش پر نگاہ ڈالی اور سیاسی حالات کا مطالعہ کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ اگر ان فتوحات کو محفوظ رکھنا ہے تو آگے بڑھے بغیر چارہ نہیں۔ شام کو فتح کر کے مصر کی طرف سے بے فکر رہنا سیاسی خودکشی کے مترادف تھا۔ اس کے علاوہ گو عربوں نے بازنطینی حکومت کے بہترین ایشیائی صوبوں پر قبضہ کر لیا تھا، لیکن اس حکومت کی طرف سے خطرہ زائل نہیں ہوا تھا۔ بازنطینی سلطنت کا بحری اور فوجی مرکز قلزم حجاز سے اس قدر قریب تھا کہ جب تک مصر فتح نہ ہو جائے اور قلزم پر مسلمانوں کا مستقل قبضہ نہ ہو حجاز کو محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ اس سے بھی قطع نظر سال کے چار مہینے قسطنطنیہ کا گزارا مصر کی زرعی پیداوار پر تھا (۱) اور ضروری تھا کہ ایک طرف تو سلطنت کے معاشی حالات پر اثر ڈالا جائے اور دوسری طرف اس تمام زرعی پیداوار سے خود مسلمان فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ ۱۸ھ میں مصر ہی کے غلے سے حجاز کی قحط زدگی کو دور کیا گیا۔ (۲)

روایات کے مطابق اسلام سے قبل حضرت عمرو بن العاصؓ ایک مرتبہ مصر آئے تھے اور تمام مصر میں سے گذر کر اسکندریہ پہنچے تھے جہاں انھوں نے کچھ مدت قیام کیا تھا۔ اسکندریہ کا شہر انہوں نے خوب دیکھا تھا اور وہاں کی عظیم الشان عمارتوں سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ (۳) اتنا تو صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے مصر میں آنے اور وہاں سے باہر جانے کے راستے پوری طرح دیکھے تھے، مگر یہ بھی ناممکن ہے کہ اس سفر کے دوران میں ان جیسا بالغ نظر اور تیز فہم شخص مصر کے عام حالات سے بے خبر رہا ہو۔ اس طرح حضرت عمرو بن العاصؓ کو مصر سے کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور تھی۔ پھر عمرو بن العاصؓ ان چار اصحاب میں سے تھے جنھیں حضرت ابوبکرؓ نے اسلامی فوج کا افسر بنا کر فتح شام کے لئے بھیجا تھا۔ اس فتح کے دوران میں بھی وہ مصر اور شام کے گہرے سیاسی تعلق سے ناواقف نہ رہے ہوں گے اور انھیں اس کا بھی بخوبی علم ہو گا کہ قیصر ہرقل نے شام کی حفاظت کی غرض سے مصر کی تمام رومی فوجیں وہاں سے ہٹا کر شام میں جمع کر دی ہیں۔ ان حالات کی وجہ سے وہ جانتے تھے کہ مصر پر حملہ کرنا اور اُسے فتح کر لینا کس قدر آسان کام ہے۔

* لیکچرار شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج، جہانیاں، پاکستان۔

فتحِ مصر اور اس کے عوامل

۱۸ھ میں جب حضرت عمرؓ جابیہ آئے تو عمرو بن العاصؓ نے ان سے اس کا تذکرہ کیا اور انھیں یقین دلایا کہ فتح مصر مسلمانوں کے لئے قوت و امداد کا سرچشمہ ہوگی کیونکہ یہ ملک جس قدر دولت مند ہے اسی قدر اپنی حفاظت کرنے سے عاجز ہے۔ حضرت عمرؓ اس پر راضی نہیں تھے کہ مسلمانوں کو کسی ناگہانی خطرے میں ڈالیں۔ لیکن آخر عمرو بن العاصؓ کے اصرار پر چار ہزار سپاہیوں کے درمیان ایک مختصر سی فوج ان کے سپرد کی اور غالباً اس خیال سے کہ خلیفہ کہیں اپنا ارادہ نہ بدل دیں، عمرو بن العاصؓ اسی رات کو مصر کی جانب روانہ ہو گئے اور ابتدائی طور پر کچھ فتوحات حاصل کر لیں۔ اس عرصے میں حضرت عمرؓ نے بھی مصر کی فتح کا ارادہ کر لیا تھا اور حضرت زبیر بن العوامؓ کی سرکردگی میں پانچ ہزار تازہ دم فوج عمرو بن العاصؓ کی مدد کے لئے بھیج دی تھی۔ اب یہ متحدہ فوج آگے بڑھی اور رجب ۱۹ھ میں ''عین شمس'' کے سامنے رومی فوج کو شکست دی۔ شہر کی فتح کے بعد قلعہ بابلیون کی مزاحمت جاری رہی۔ مقوقس (کورش) بذات خود یہاں موجود تھا۔ اس نے عمرو بن العاصؓ سے خط و کتابت شروع کی اور معاہدے کی شرائط طے کرنے کے بعد ان کی توثیق کے لئے قسطنطنیہ گیا۔ مگر قیصر ہرقل نے یہ عہد نامہ تسلیم کرنے سے انکار کیا اور مقوقس کو جلاوطن کر دیا۔ اس دوران میں ۲۲ صفر ۲۰ھ کو ہرقل کا انتقال ہو گیا اور جب اہل بابلیون ہر طرف سے مایوس ہو گئے تو انھوں نے ربیع الثانی ۲۰ھ کو ہتھیار ڈال دیئے۔ اس فتح سے ''ڈیلٹا'' کے مشرقی حصے اور مصر صعید پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور عمرو بن العاصؓ دریائے نیل کو عبور کر کے اُس کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ ''نیکو'' پہنچے۔ ۲۶ جمادی الثانی ۲۰ھ کو اہل شہر نے اطاعت قبول کر لی۔ اب اسلامی فوج آہستہ آہستہ ''اسکندریہ'' کی طرف بڑھی، یہ شہر سیاسی، بحری اور تجارتی لحاظ سے اس قدر اہم تھا کہ اسے کھو دینا رومیوں کے لئے خودکشی کے مترادف تھا۔ اس لئے یہاں مسلمانوں کی مزاحمت ہوئی تاہم اسکندریہ بھی فتح ہو گیا۔

مصر کی سرحدوں کی حفاظت

مصر کے حدود اربعہ قدرتی طور پر متعین تھے۔ شمال میں بحیرۂ روم، مغرب میں صحرائے لیبیا اور مشرق میں ریگستان عرب اور بحیرۂ احمر صرف جنوبی سرحد غیر معین تھی اور واقعات کے لحاظ سے بدلتی رہتی تھی۔ فتح اسکندریہ کے بعد ضروری تھا کہ مغربی سرحد کو بحیثیت مجموعی محفوظ بنا لیا جائے۔ چنانچہ ۲۱ھ کے اواخر میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے برقہ کو اور ۲۲ھ (یا بروایتے ۲۳ھ) میں طرابلس الغرب کو فتح کر کے یہ کمی پوری کر دی۔ (۴) ذی الحجہ ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے عمرو بن العاصؓ کو معزول کر کے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کو مصر کا حاکم مقرر کیا اور شہری اور مالی حکومت (صلاۃ و خراج) ان کے سپرد کر دی۔ عبد اللہ بن سعد ۲۳ھ

سے ۳۵ھ تک حاکم مصر رہے۔ اس عرصے میں انھوں نے دو کام سرانجام دیے۔ اول تو انھوں نے جرجیر (گریگوری) جو طرابلس الغرب سے ''طنجہ'' تک تمام شمالی افریقہ کے ساحل پر رومیوں کی طرف سے حاکم تھا، شکست دی۔ (۵) گو یہ واقعہ شمالی افریقہ کی فتح کا آغاز تھا لیکن عبد اللہ بن سعدؓ نے ملک پر قبضہ کرنے کا خیال نہیں کیا کیونکہ اس وقت مقصد مصر کی مغربی سرحد کی مزید حفاظت تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے مصر کے جنوبی سرحد کو بھی متعین کر دیا۔ ''نوبہ'' کی سرحد پر مسلسل جنگ جاری رہتی تھی اور عمرو بن العاصؓ نے بھی اس طرف توجہ کی تھی۔ لیکن بالآخر ۳۱ھ میں عبد اللہ بن سعد نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ''نوبہ'' پر حملہ کیا۔ ''دُمقلہ'' کے مقام پر سخت معرکہ پیش آیا جس میں مسلمانوں نے بہت کچھ نقصان اُٹھا کر آخر فتح پائی۔ اس جنگ کے بعد جسے الکندی نے ''غزوۃ الاساود'' لکھا ہے۔ (۶) مسلمانوں اور اہل نوبہ میں ایک معاہدہ طے پایا۔ مقریزی نے اس کی پوری عبارت نقل کی ہے۔ اس کے مطابق نوبہ پر مسلمانوں کی سیادت قائم ہوگئی، مصر کی جنوبی سرحد مشخص کر دی گئی اور اس کے بدلے مسلمانوں نے وعدہ کیا کہ مصر سے غلہ نوبہ بھیجا جایا کرے گا۔ (۷) اس طرح بحیثیت مجموعی ۳۱ھ میں مصر کی فتح مکمل ہوئی۔ تاریخ مصر میں اس سے بڑا انقلاب اس سے قبل واقع نہیں ہوا تھا۔ اس تیرہ برس کے عرصے میں صرف یہی نہیں ہوا کہ مصر کے حکمران بدل گئے اور باشندوں کو نئے حالات سے دو چار ہونا پڑا بلکہ یہ واقعہ مصر کی حقیقی آزادی کا پیش خیمہ تھا۔ تمام فاتحین اب تک مصر کو اپنے مفاد کی تکمیل کا ایک ذریعہ سمجھتے آئے تھے۔ لیکن اب اسلامی فتح سے ایک سیاسی انقلاب کی تکمیل ہی نہیں ہوئی بلکہ انتظامی نظم ونسق کے حوالے سے ایک ہمہ گیر ذہنی اور مادی انقلاب شروع ہوا۔ ایک ایسی قوم وہاں حکمران بنی جو آزادی کا حقیقی مفہوم سمجھتی تھی اور اسے عزیز رکھتی تھی۔ ان کا سیاسی اور معاشرتی نظام ونسق اس جذبے کو نقصان پہنچانے کی بجائے اُسے اور زیادہ پختہ اور مستحکم بنانے میں معاون ثابت ہوئے۔

فتح مصر کا عربوں کے معاشی حالات پر اثر:

۱۹ھ میں مصر کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ کو وہاں کا حاکم ''علی الصلاۃ و علی الخراج'' مقرر کیا گیا اور وہ چار سال چند مہینے وہاں رہے۔ (۸) اس دوران میں اگر انھوں نے مصر میں کوئی نئے سیاسی یا انتظامی ادارے قائم کیے تھے تو ان کا علم ہم تک نہیں پہنچا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ پرانا نظم ونسق بدستور جاری رہا تھا اور اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ آپؓ کے عہد حکومت میں عربوں نے صرف اس سے غرض رکھی کہ جو محاصل رائج تھے وہ باقاعدہ طور پر وصول ہوتے رہیں۔ ایک اہم سوال یہ ہے کہ فتح مصر سے عربوں کو کیا معاشی فائدے پہنچے؟ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ ۱۸ھ میں حجاز کے قحط کو مصر کے غلے کی مدد سے دور کیا گیا تھا۔ اس ابتدائی دور میں عربوں کو اسی قسم کی مدد کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اسی کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ اور

مصریوں کی ایک جماعت کو مدینہ بلایا اور ان سے کہا کہ وہ سب اس پر غور کریں کہ ایک نہر دریائے نیل سے ساحل بحر احمر تک کھودی جائے تا کہ حجاز تک غلہ پہنچنے میں آسانی ہو۔ کیونکہ غلہ کو دور سے اونٹوں پر لاد کر لانے میں اتنا وقت گذر جاتا تھا کہ اہل حجاز اُس سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اہل مصر نے آپس میں مشورہ کیا، وہ اس تجویز کے مخالف تھے کیونکہ اس سے ان کے ملک کے معاشی حالات پر برا اثر پڑتا تھا۔ لیکن کچھ رد وقدح کے بعد وہ اس پر راضی ہو گئے اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے ایک سال میں یہ نہر (خلیج) جو ''خلیج امیر المومنین'' کہلاتی تھی تیار کرا لی اور اس میں بار برداری کی کشتیاں چلنے لگیں۔ چنانچہ اب مکہ اور مدینہ کو اسی ذریعے سے غلہ بھیجا جانے لگا۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے تک یہ خلیج برابر کام میں آتی رہی مگر بعد کے والیوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور وہ ریت سے پٹ گئی۔ مصر کے حاجی بھی ساحل تنیس سے اسی خلیج کے ذریعے سفر کر کے قلزم پہنچتے تھے اور وہاں سے بحری جہازوں میں منتقل ہوا کرتے تھے۔ (۹)

عرب قبائل کی آباد کاری کا مسئلہ:

حضرت عمرو بن العاصؓ کے سامنے پہلا اور فوری مسئلہ یہ تھا کہ فاتح فوج کہاں ٹھہرائی جائے۔ ابن عبد الحکم نے بیان کیا ہے کہ جب عمرو بن العاصؓ اسکندریہ میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر کہ وہاں کے جو مکانات خالی پڑے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے کافی ہوں گے انھوں نے وہیں قیام کرنا چاہا اور حضرت عمرؓ سے اس کے متعلق استصواب کیا گیا لیکن وہ اس کے خلاف تھے کہ عمرو بن العاصؓ کے اور مسلمانوں کے درمیان دریا حائل ہو اور یہ معلوم کر کے اسکندریہ تک پہنچنے کے لئے نیل عبور کرنا پڑتا ہے انھوں نے عمرو بن العاصؓ کو اسکندریہ میں قیام کی اجازت نہیں دی اور وہ فسطاط واپس آ گئے۔ (۱۰) یہاں آ کر نئے مسائل پیدا ہوئے۔ مختلف عرب قبائل جو اس فاتح فوج میں شریک تھے، ان میں جائے قیام کے متعلق جھگڑے ہونے لگے کیونکہ یہ قبائل اس عرصہ میں ایک دوسرے سے مل جل گئے تھے۔ اس پر عمرو بن العاصؓ نے معاویہ بن حدیج التجیبی، شریک بن سمی الغطیفی، عمرو بن قحزم الخولانی، حیویل بن ناشر المغافری کو اس کام پر مقرر کیا کہ وہ مختلف قبائل کی قیام گاہ کا تعین کریں۔ ۲۱ھ میں ان حضرات نے لوگوں کو مختلف مقامات میں اتارا اور مختلف قبائل کو الگ الگ کیا (۱۱) اور اس طرح عربوں کی آباد کاری کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔ اگر ہم عربوں کے دوسرے بسائے ہوئے شہروں کا مقابلہ ''فسطاط'' سے کریں تو ایک بین فرق نظر آئے گا۔ عراق میں کوفہ اور بصرہ دو شہر بالکل اسی غرض سے بسائے گئے تھے، جو فسطاط کے بسانے کی غرض تھی۔ ان دونوں شہروں میں عرب قبائل ملے جلے رہتے تھے اور یمنی اور مضری یا قیسی قبائل کے لئے شہر کے الگ الگ حصے مختص نہ تھے اور نہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ ان شہروں میں زیادہ تعداد قیسی قبائل کی تھی یا یمنی قبائل کی۔ برخلاف اس کے فسطاط کو اس طرح تقسیم

کیا گیا تھا کہ ہر قبیلہ الگ الگ رہتا تھا۔

فوج کے مختلف قبائل جائے قیام کا تعین کرنے کے علاوہ عمرو بن العاصؓ نے موسم بہار میں ہر قبیلے کے لئے اس کی قیام گاہیں اور چراگاہیں (التربیع واللبن) بھی مقرر کر دیں مگر اسے خود قبائل کی پسند پر چھوڑ دیا۔ ابن الحکم لکھتا ہے کہ گو یہ انتظامات ایک حد تک مستقل تھے لیکن بعض قبائل کبھی کبھی ایک جگہ سے دوسری جگہ تجاوز بھی کر جاتے تھے۔ بڑے بڑے قبائل انھیں مقامات میں موسم بہار گزارتے تھے۔ (۱۲) اتنی بات یقینی ہے کہ یہ قاعدہ محض وقتی نہیں تھا بلکہ سال بسال یہی طرز عمل اختیار کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سالانہ قیام کے دوران میں کچھ قبائل ایسے بھی تھے جنھوں نے مختلف اطراف میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ مدلج نے حمیر کے بعض افراد کے ساتھ خربتا میں اور خشین نے لخم اور جذام کے ساتھ مل کر صان، ابلیل اور طرابیہ میں مستقل نو آبادی بنا لی تھی۔ (۱۳)

مصر میں عربیت کا ارتقاء

عربوں کا فسطاط، جیزہ اور اسکندریہ میں بس جانا اور خصوصاً موسم بہار میں اس طرح مختلف مقامات میں منتشر ہو جانا درحقیقت مصر میں عربیت کے ارتقاء کی پہلی منزل تھی کیونکہ ان کے قیام کے ساتھ ساتھ عربی زبان، عربی معاشرت اور عربی اثرات بھی ان مقامات پر پھیلے۔ یہ ایک چیز تھی جہاں عربوں نے قدیم رومی اصول کی پابندی نہیں کی اور شروع ہی سے ملک میں پھیلنا شروع کر دیا۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اس تدوین سے حکومت کو کیا فائدہ پہنچا؟ واقعہ یہ ہے کہ عرب جہاں کہیں بھی وہ آباد ہو، ایک پیشہ ور سپاہی سمجھا جاتا تھا اور بوقت ضرورت اسے فوج میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ قانوناً سپاہی ہونے کے لحاظ سے وہ اس کا مجاز نہ تھا کہ زراعت یا کسی اور پیشے کو بسر اوقات کا ذریعہ بنائے۔ (۱۴) گزارے کے لئے اُسے حکومت سے حسب مراتب وظیفہ (فریضہ) ملتا تھا اور کوئی عرب ایسا نہ تھا جو وظیفہ خوار نہ ہو۔ چنانچہ امیر معاویہ کے زمانے میں بیان ہوا ہے کہ مصر کے دیوان کی تعداد چالیس ہزار تھی اور ان میں چار ہزار ایسے تھے جنھیں دو دو سو دینار وظیفہ ملتا تھا۔ (۱۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں مصر میں عرب فوج کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ یہ عرب جو کسی زمانے میں سپاہی تھے رفتہ رفتہ اراضی کے مالک ہوتے گئے اور زراعت نہ کرنے کی پابندی اٹھ گئی۔ مگر ان کے فریضے بدستور جاری رہے گو ان میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ عمر بن عبدالعزیز نے اس ''عطا'' میں اضافہ کیا (۱۶) اور ان کے جانشین یزید بن عبدالملک نے اپنے حاکم مصر، بشر بن صفوان کو حکم دیا کہ یہ اضافہ منسوخ کر دے۔ (۱۷)

اہل مصر سے عربوں کے معاہدات

یہ شہری تنظیم اور عرب قبائل کی نو آبادکاری کے مسائل کا فیصلہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے فرائض کا صرف

ایک حصہ تھا۔ وہ مالیات کے حاکم (علی الخراج) بھی تھے اور اس نومفتوحہ ملک کے ذرائع آمدنی اور محاصل کا تصفیہ کرنا بھی انھیں کا فرض تھا۔ فتح کے دوران میں اور اس کے فوراً بعد فاتح فوج کو رسد کی ضرورت پیش آئی تھی۔ اس ابتدائی زمانے کے متعلق ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ مصر کے تین رؤسا سے الگ الگ تین عہد نامے طے ہوئے تھے اور ان کے مطابق صلح کی شرط یہ تھی کہ فی کس دو دینار بطور ''جزیہ'' ادا کئے جائیں گے۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق جزیہ صرف بالغ مردوں پر لگایا گیا تھا۔ (۱۸) اور اس کے علاوہ ''ارزق المسلمین'' کا انتظام کیا جائے۔ پانچ شرطیں اور تھیں کہ انھیں جلا وطن نہیں کیا جائے گا، ان کی عورتوں کو ان سے الگ نہیں کیا جائے گا، کاشتکاروں سے تعرض نہیں ہوگا، وہ اراضی سے بے دخل نہیں کئے جائیں گے اور محاصل میں اضافہ نہیں ہوگا۔ (۱۹)

''ارزق المسلمین'' کی تفصیل یہ بیان ہوئی ہے کہ ہر ماہ فی کس ایک اِردَب غلہ دیا جائے گا۔ چربی اور شہد کی مقدار راوی نے بیان نہیں کی۔ اس کے علاوہ کپڑے اور لباس مہیا کرنے پڑتے تھے جو خلیفہ کی طرف سے لوگوں میں تقسیم کئے جاتے تھے۔ رعایا پر یہ بھی فرض تھا کہ جو مسلمان ان کے ہاں مقیم ہوں تین دن تک اُن کی ضیافت کا انتظام کریں۔ (۲۰) ابتدائی عہد کے جو قرطاس دریافت ہوئے ہیں ان سے اس روایت کی توثیق ہوتی ہے اور بعض اور تفصیلات بھی معلوم ہوتی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے زیادہ اہم چیز فوج کی رسد تھی، خصوصاً اس وقت جب کہ فوج کوچ کر رہی ہو۔ تین دن کے ''ارزق المسلمین'' ایک قفیز گیہوں فی کس فی ماہ، نصف پیمانہ تیل، موٹا پسا ہوا آٹا، بھیڑیں اور پکا ہوا کھانا تھا۔ گھوڑوں کے چارے کی مقدار نقد ادا کرنی پڑتی تھی۔ انھیں قرطاسوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو سپاہی گھروں میں مقیم ہوتے تھے ان کے لئے گھر والوں کو کیا انتظامات کرنے پڑتے تھے۔ (۲۱)

مصر کا نظام محاصل

حضرت عمرو بن العاصؓ پہلے شخص تھے جنھوں نے مصر سے محصول وصول کیا۔ یہ رقم بحساب دو دینار فی کس، ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی۔ (۲۲) لیکن کیا یہ محصول وہی چیز ہے جسے جزیہ کہتے ہیں؟ غالباً بیکر پہلا شخص ہے جس نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ابتدائی زمانے میں جزیہ اور خراج مترادف الفاظ تھے اور دوسری صدی ہجری میں پہلی مرتبہ ان میں فرق پیدا ہوگیا۔ (۲۳) اگر غور کیا جائے تو ''لگان اراضی'' فی کس محصول یا کسی اور محصول کا نام نہیں تھا بلکہ مقصد صرف یہ تھا کہ مختلف محاصل کو یک جا جمع کر کے یک مشت رقم کسی نہ کسی طرح وصول ہو جائے۔ اس رقم میں علاوہ لگان کے تجارتی محصول اور رومی فی کس محصول بھی شریک تھا اور اسے صرف اس لحاظ سے فی کس محصول کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہر شخص سے بحصۂ رسدی وصول ہوتا تھا۔ بعینہٖ یہی عمل پہلی صدی ہجری میں جاری رہا اور جزیہ اور خراج میں فرق نہیں کیا گیا۔ کیونکہ عرب اتنے بے وقوف نہ تھے کہ اس بنے بنائے اصول کو توڑ کر نئے

مخمصوں میں پھنستے اور محاصل کے نظام میں ابتری پیدا کر دیتے۔ اس کی چند مثالیں نقل کر دینا کافی ہوگا۔ بلا ذری نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ کی ادائی پر اہل اذرح سے صلح کی تھی۔ (۲۴) یہاں مردم شماری اور فی کس محصول کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ عام معنوں میں جزیہ نہیں بلکہ خراج (باج) تھا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیۃ الکلبی کو خط دے کر قیصر کے پاس بھیجا کہ تین چیزوں میں ایک اختیار کر لے۔ ان میں سے ایک خراج بھی تھا۔ (۲۵) آپؐ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ نے اسلامی فوجیں باہر بھیجی تو سپہ سالاروں کو ہدایت کی کہ دشمن کے سامنے تین شرطیں پیش کریں کہ ان میں سے ایک قبول کر لیں۔ اسلام یا جزیہ اور اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو جنگ۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے عراق میں اہل حیرہ سے اور شام و فلسطین میں اہل دمشق اور اہل حمص سے یک مشت رقمیں وصول کی ہیں اور انھیں جزیہ ہی کہا گیا ہے۔ ان موقعوں پر بھی مردم شماری اور فی کس محصول کا ذکر نہیں اور نہ اس کا موقع تھا۔ صریحاً یہاں جزیہ سے مراد پھر خراج (باج) ہے۔

ان تمام باتوں پر نظر رکھتے ہوئے صرف یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ابتدائی عہد میں جو فی کس محصول لگایا گیا تھا وہ ہر جگہ رومی نظام محاصل کے مطابق تھا اور یہ محصول حقیقت میں خراج ہے نہ کہ جزیہ۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی فتح کے بعد اہل مصر پر سے محاصل کا بوجھ کم ہو گیا تھا کیونکہ رومی نظام محاصل گنجلک بھی تھا اور مطلق العنانہ بھی۔ (۲۶) محاصل کی مقدار اور ان کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ خاص خاص اشخاص یا جماعتیں ادائی محاصل سے مستثنیٰ تھیں۔ چنانچہ اہل اسکندریہ فی کس محصول کی ادائی سے بری تھے۔ (۲۷) یہی حال مذہبی پیشواؤں کا تھا۔ مگر اب عربوں کے زمانے میں مستثنیات کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اور اہل اسکندریہ بھی بغاوت کر کے اپنے حقوق کھو چکے تھے۔ عربوں نے محض ایک (یا دو) محصولوں پر اکتفا کر کے ایک اصلاحی صورت پیدا کی۔ محاصل کی تعداد گھٹا دینے کی وجہ سے انتظامی مصارف میں کمی ہوئی اور محصول ادا کرنے والے بھی بار زیادہ محسوس نہیں کرتے تھے۔ فتح مصر کے وقت جو عہد نامہ ہوا تھا اس میں مفتوحین کی مذہبی آزادی برقرار رکھی گئی تھی۔ اس لیے کلیسا کا انتظام خود اہل مصر کے تصرف میں تھا اور اُس کے اخراجات کے لئے وہی لوگ رقم مہیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی طرف سے کلیسا پر کوئی محصول نہیں لگایا گیا۔ پیشوایان مذہب محصول سے بری تھے اور ان کی طرف سے بھی اہل ذمہ محصول ادا کرتے تھے۔ (۲۸) زراعت پر تمام محصولوں کا بوجھ ڈالنا اور تاجروں کو اس سے مستثنیٰ رکھنا قرین انصاف نہ تھا۔ اس لیے قیاس یہ ہے کہ تجارت پر بھی محصول لگایا گیا ہو۔ خود رومیوں میں بھی اس کا دستور تھا۔

مصر کے اندرونی نظم و نسق میں عربوں کی عدم شمولیت

حضرت عمرو بن العاصؓ کے زمانے میں عربوں نے مصر کے اندرونی نظم و نسق میں بالکل دخل نہیں دیا تھا

اورصرف اس سے غرض رکھی تھی کہ محصول کی رقم وصول ہوتی رہے۔اس کے ساتھ ہی انھوں نے قبطیوں سے مشفقانہ سلوک روا رکھا تھا اوراس کی ضرورت بھی تھی۔ظاہر ہے کہ مصر میں عربوں کی تعداد مٹھی بھر تھی اور وہ نظم ونسق کے کام سے قطعاً نا واقف تھے۔ اس لیے لازمی تھا کہ پرانے ملازمین اور منتظمین کو برقرار رکھا جائے۔(۲۹) ابھی چالیس برس کا زمانہ گزرنا اور باقی تھا کہ مسلمان اندرونی نظم ونسق میں حصہ لیں اور قبطیوں کو برطرف کرنے کا خیال دل میں لائیں۔ بہرحال عمرو بن العاصؓ کی حکومت سے مصری مطمئن تھے۔عمرو بن العاصؓ دومرتبہ والئی مصر مقرر ہوئے۔ پہلی مرتبہ حضرت عمرؓ کے عہد میں۔۲۴ھ میں حضرت عثمانؓ نے انھیں معزول کیا۔دوسری مرتبہ امیر معاویہؓ نے انھیں ۳۸ھ میں والی مقرر کیا اور ۴۳ھ میں اپنی وفات تک آپ وہیں رہے اور وہیں دفن ہوئے۔(۳۰) پہلی ولایت کے دوران میں وہ ملک کا نظم ونسق مکمل کر چکے تھے۔

سلیم بن عمیر التجیبی ۳۹ھ میں مصر کے پہلے قاضی مقرر ہوئے اور ۷۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۳۱) ۸۴ھ میں غیاض بن غنم التجیبی اسکندریہ کے والی مقرر ہوئے تھے۔ (۳۲) ۷۵ھ میں عبدالعزیز بن مروان اپنے بھائی خلیفہ عبدالملک سے ملنے کے لئے دمشق گیا تو اس نے زیاد بن حنظلہ التجیبی کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ (۳۳) ۳۵ھ میں عبداللہ بن سعدؓ جب حضرت عثمانؓ سے ملنے مدینہ گئے تو انھوں نے سلیم بن عمیر التجیبی کو مالیات کا حاکم (علی الخراج) مقرر کیا تھا۔ (۳۴) یہ پہلا موقع تھا کہ ''علی الصلاۃ'' اور''علی الخراج'' کے منصب پر دو الگ الگ عہدہ دار مقرر ہوئے تھے۔حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا قاتل بھی مصر کا رہنے والا عبدالرحمٰن بن بحنس تجیبی تھا۔ (۳۵) تجیب کے بعد دوسرا مقتدر قبیلہ خولان تھا۔۶۲ھ میں یزید بن معاویہ نے سعید بن یزید کو حاکم مقرر کیا مگر اہل مصر کو یہ پسند نہ آیا۔مصریوں کا ایک وفد جس میں عمرو الخولانی بھی شریک تھا اس سے ملا اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ (۳۶) ۸۸ھ میں عبداللہ بن عبدالملک بن مروان (حاکم مصر) اپنے بھائی خلیفہ ولید سے ملنے دمشق گیا تو اس نے عبدالرحمٰن بن عمرو بن مخزوم الخولانی کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔(۳۷)

شیعان عثمانؓ وشیعان علیؓ کے باہمی تنازعات

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جو فتنہ برپا ہوا اس میں مصر کے عرب پیش پیش تھے۔خلیفہ کے خلاف سازش یہیں شروع کی گئی اور یہیں اس کی تکمیل ہوئی۔حتیٰ کہ آپ کے مقرر کردہ حاکم عبداللہ بن سعدؓ کو مجبوراً مصر چھوڑنا پڑا۔ مصر ہی سے مفسدوں کی ایک جماعت خلیفہ کے خلاف مدینہ روانہ ہوئی اور یہیں کے ایک شخص کنانہ بن بشر نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہونا چاہئے تھا کہ مصر میں حضرت عثمانؓ کے مخالفوں اور حضرت علیؓ کے ہمدردوں کی تعداد زیادہ تھی۔لیکن حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ہی مصر میں ایک ردعمل شروع ہوا۔ابتداً شیعان عثمان کی تعداد

ضرور کم تھی۔ مگر ۳۶ھ میں آپ کے قصاص کا مطالبہ کرنے کے لئے ایک بیعت لی گئی اور معاویہ بن حدیج کو شیعان عثمان نے اپنا امیر مقرر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد بن ابی حذیفہ جس نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں نمایاں حصہ لیا تھا اور مصر پر قابض ہو گیا تھا قتل ہوا۔ اب حضرت علیؓ نے قیس بن سعد الانصاریؓ کو مصر کا حاکم مقرر کیا اور ۳۷ھ میں وہ وہاں پہنچے۔ انھوں نے تالیف قلوب کی حکمت عملی اختیار کی اور فرقہ وارانہ سیاسیات سے احتراز کیا۔ جب تک وہ مصر میں رہے امن وامان رہا لیکن اسی سال انھیں معزول کیا گیا اور محمد بن ابی بکر والی بن کر مصر پہنچے۔ انھوں نے اپنے طرز عمل سے مصر کے حالات کو خراب کر دیا اور اسی وجہ سے شیعان عثمان کو فروغ پانے اور ترقی کرنے کا موقع مل گیا۔

۳۸ھ میں یہاں شیعان عثمان اتنے کامیاب ہو گئے تھے کہ عمرو بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ کی طرف سے مصر پر قبضہ کر لیا اور ۴۳ھ میں اپنی وفات تک وہاں رہے۔ اب بنوعلی کا رسوخ اور اثر مصر سے ایسا زائل ہوا کہ ڈیڑھ سو برس تک اس خاندان کے کسی رکن کو وہاں آنے اور قدم جمانے کی ہمت نہ ہوئی۔ شیعان بنوامیہ کے قدم اب وہاں اس قدر مضبوطی سے جم گئے تھے کہ انھیں اکھاڑنا ناممکن تھا۔ ۶۴ھ میں عبداللہ بن زبیرؓ نے عبداللہ بن عتبہ بن جحدم کو اپنی طرف سے مصر کا والی مقرر کیا مگر وہ ایک سال بھی وہاں نہ رہ سکے۔ ۶۵ھ میں شیعان بنوامیہ نے مروان بن الحکم کو جسے اس سے قبل شام میں خلیفہ منتخب کر لیا گیا تھا مصر آنے کی دعوت دی اور جمادی الاول ۶۵ھ میں مروان فسطاط میں داخل ہوا۔ اس کا نوجوان اور ناتجربہ کار بیٹا عبدالعزیز اس کے ساتھ تھا۔ اسی کو اُس نے ملک کے شہری اور مالی امور کا حاکم مقرر کیا۔(۳۸) بیس برس تک عبدالعزیز نے یہ خدمت انجام دی۔ مروان جب مصر سے واپس ہونے لگا تو عبدالعزیز نے کہا کہ ''اے امیر المومنین! ایسے ملک میں میرا گزارا کیسے ہوگا جہاں میرا کوئی رشتہ دار نہیں؟'' مروان نے جواب دیا:

یابُنَیّ! عُمُّهم باحسانك یكونوا كلهم بنی ابیك واجعل وجهك طلقاً تصف لك مودتهم واقع الی كل رئیس منهم انه خاصتك دون غیره۔ یكن عیناً لك علی غیره و ینقاد قومه الیك۔(۳۹)

''اے بیٹے! احسان کے ذریعے سے انھیں ایسا کر لے کہ وہ تمہارے چچا ہو جائیں، وہ سب تیرے رشتہ دار بن جائیں گے۔ ہر وقت کشادہ پیشانی سے رہنا، تجھ سے ان کی محبت صاف ہو جائے گی۔ ہر رئیس کو یہ باور کرا دے کہ دوسروں سے قطع نظر وہی تیرا خاص آدمی ہے۔ وہ دوسروں کے خلاف تیرا مددگار ہو جائے گا اور اپنی قوم کو تیرا مطیع ومنقاد بنا دے گا۔''

اس کے علاوہ مروان نے عبدالعزیز کو اور بہت سی نصیحتیں کیں جن میں اس پر خاص طور سے زور دیا کہ بغیر مشورے کے کام نہ کرنا کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورے کی ضرورت پڑتی تھی تو ہم جیسوں کو اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔(۴۰) تاریخ گواہ ہے کہ باپ کی نصیحتوں پر بیٹے نے کس طرح عمل کیا اور بیس برس تک

کس کامیابی سے مصر پر حکومت کی۔

مصر کے نظام اراضی کے خدوخال

۷۲ھ میں فسطاط میں طاعون پھیلا اور عبدالعزیز وہاں سے حلوان چلا آیا، جوفسطاط سے دوفرسخ کے فاصلے پر دریائے نیل کے کنارے واقع تھا۔(۴۱) اور آخری وقت تک وہیں رہا۔ یہاں اُس نے اپنے لیے نہایت عمدہ محل اور مکانات تعمیر کرائے اور اس کی بدولت کھجور کے درخت اور انگور مصر پہنچے اور حلوان میں لگائے گئے۔ اس نخلستان کو پانی دینے کے لئے عبدالعزیز نے ایک نہر کھدوائی تھی۔(۴۲) حلوان میں اس نے ایک اور رفاہ عامہ کا کام کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے زراعت سے خاص دلچسپی تھی۔ یہاں اُس نے دریائے نیل کا پانی ناپنے کے لئے ایک مقیاس تعمیر کرایا مگر اس کا ذرعہ چھوٹا تھا۔(۴۳) جیزہ میں بھی اُس نے کھجور کے درخت لگوائے تھے۔ یہ باغ بعد میں ''جنان کعب'' کے نام سے مشہور ہوا۔(۴۴) ایک روایت کے مطابق عبدالعزیز ہی کے مشورے سے ۷۶ھ میں خلیفہ عبدالملک نے عہد اسلام سے پہلی مرتبہ دینار اور درہم مسکوک کرائے تھے۔(۴۵) اس کے علاوہ اُس نے عمرو بن العاصؓ کی تعمیر کردہ جامع فسطاط میں اضافہ کرایا تھا۔(۴۶)

عمرو بن العاصؓ کے زمانے سے اب تک مصر کے حالات اس قدر تبدیل ہو چکے تھے کہ عبدالعزیز نے وہاں نئے سرے سے تدوین کی۔ یہ مصر کی دوسری تدوین تھی۔ اس کی تفصیل سے تو ہم ناواقف ہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کی ضرورت کیوں ہوئی تھی۔ ہم دیکھ آئے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ نے فسطاط میں مختلف قبائل آباد کئے تھے لیکن اس عرصہ میں اکثر و بیشتر علاقے پرانے باشندوں کے ہاتھ سے نکل کر نئے باشندوں کے قبضے میں آ گئے تھے۔ ان تمام تبدیلیوں کا ایک حد تک تفصیلی تذکرہ ابن عبدالحکم میں محفوظ رہ گیا۔(۴۷) سکونتی اراضی میں تو تبدیلیاں ہو ہی رہی تھیں زرعی اراضی بھی تغیر وتبدل سے محفوظ نہیں تھی۔ چنانچہ اب پہلی مرتبہ مصر کی معاشی اور ارضی تاریخ میں قطائع کا اثر نمایاں ہونا شروع ہوا۔ یہاں قطائع سے مراد اس قسم کی جاگیریں نہیں جن کا رواج تیسری صدی ہجری میں ہوا بلکہ ان سے مراد زرعی جائیدادیں ہیں جن کی خرید وفروخت ہوسکتی تھی۔ قطائع کا رواج کب سے ہوا اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس طرح زمینیں تقسیم کرنے کی ابتداء ہوئی تھی اور بعض کا خیال ہے کہ ان دوحضرات یا حضرت علیؓ نے کبھی قطائع تقسیم نہیں کئے(۴۸) بلکہ یہ تبدیلی حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوئی۔(۴۹) لیکن تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک صحابی سندر (یا ابن سَندر) کومصر میں ایک ہزار فدان (ایکڑ) زمین بطور قطیعہ دی تھی اور اس کے علاوہ مصر میں اور کوئی قطیعہ کسی کونہیں دیا گیا۔ یہ قطیعہ سَندر کے مرنے کے بعد عبدالعزیز کے بیٹے الاصبغ نے اُن کے وارثوں سے خرید لیا تھا اور

اسی کے نام پر یہ زمین ''منیۃ الاصبغ'' کہلانے لگی تھی۔(۵۰) یہ امر کہ اس قطیعے کی خرید و فروخت ہوئی ثابت کرتا ہے کہ اسے عام معنوں میں جاگیر نہیں کہا جا سکتا۔لیکن اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اب عرب زرعی زمینوں پر قابض ہوتے جا رہے تھے۔ یہ پرانے اصول اور قانون کے خلاف تھا۔(۵۱) حقوق مالکانہ کی انہیں تمام تبدیلیوں اور عرب قبائل کے اس طرح نقل مکانی کی وجہ سے اس دوسری تدوین کی ضرورت لاحق ہوئی تھی۔

اس طرز عمل سے ایک بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ جو زمینیں عربوں کے قبضے میں آ گئیں ان پر لازمی طور سے لگان نہیں لگایا جا سکتا تھا۔لیکن جو خراج حسب معاہدہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے زمانے میں عاید کیا گیا تھا اُس میں کوئی کمی یا زیادتی ممکن نہ تھی۔ لہٰذا ذمیوں پر محاصل کا بوجھ بڑھتا گیا اور سرکاری میزانیہ کو متوازن کرنے کی غرض سے محصول میں اضافہ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اپنے زمانے میں امیر معاویہؓ نے حکم دیا تھا کہ ہر قبطی کے خراج میں ایک قیراط کا اضافہ کیا جائے۔لیکن مصر کے صاحب الخراج نے پرانے عہد نامے کی بناء پر ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس کی پاداش میں معزول ہوا تھا۔(۵۲) اس کے بعد عراق میں حجاج نے ان ذمیوں سے جو مسلمان ہو گئے تھے جزیہ (خراج) وصول کرنا شروع کیا اور خلیفہ عبدالملک نے عبدالعزیز کو لکھا کہ مصر میں بھی یہی طرز عمل اختیار کرے۔ لیکن عبدالرحمٰن بن حجیرہ الخولانی سے مشورہ کر کے عبدالعزیز نے خلیفہ کی اس تجویز کو منظور کرنے سے انکار کر دیا تھا۔(۵۳) عبدالرحمٰن بن حجیرہ کا مشورہ دو وجہ سے اہم تھا، وہ عبدالعزیز کی طرف سے مصر کے قاضی بھی تھے اور بیت المال کے نگران بھی۔(۵۴) انھوں نے اس کی مخالفت اس بنا پر کی تھی کہ ذمی پہلے ہی اپنے راہبوں کا جزیہ (خراج) ادا کر رہے ہیں اور ان پر مزید سختی روا رکھنا مناسب نہیں۔(۵۵) بہر حال عبدالعزیز نے یہ مسئلہ ایک حد تک اس طرح حل کیا کہ اس کے حکم سے راہبوں کو شمار کیا گیا اور ہر راہب پر فی کس ایک دینار جزیہ عائد کیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں راہبوں سے جزیہ وصول کیا گیا۔(۵۶) اس سے قبل وہ اس سے مستثنیٰ تھے۔ اپنے بھائی کی وفات سے چند ماہ قبل، بیس برس دس مہینے تیرہ دن مصر پر حکومت کرنے کے بعد ۸۶ھ میں عبدالعزیز نے مصر ہی میں انتقال کیا۔عہد اسلام میں مصر پر اس سے زیادہ طویل حکومت کسی حاکم نے نہیں کی۔(۵۷)

انتظامی نظم و نسق میں عربوں کی براہ راست شرکت

اب عبدالملک نے اپنے ستائیس سالہ نوجوان بیٹے عبداللہ کو ۸۶ھ میں مصر بھیجا۔ اسے حکم دیا گیا تھا کہ عبدالعزیز کی نشانیاں مٹا دے۔ اسی بناء پر اُس نے پرانے عمال میں تغیر و تبدل کیا۔مگر اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے ۸۷ھ میں دواوین کو یونانی زبان سے عربی میں منتقل کیا۔(۵۸) یہ درحقیقت مصر کی تاریخ کا بہت بڑا انقلاب تھا۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب عرب براہ راست نظم و نسق میں حصہ لینا شروع کر رہے ہیں اور قبطیوں کو اس وقت

تک جواجارہ حاصل تھا وہ اب ختم ہورہا ہے۔ چند ہی سال بعد اس انقلاب کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوئے۔لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ عربی زبان فی الفور عام طور پر دواوین میں استعمال ہونے لگے اور یونانی یا قبطی بالکل بے دخل ہو جائے۔ بلکہ اس تبدیلی کی تکمیل اس وقت ہوئی جب قبطیوں نے خود روز مرہ زندگی میں عربی زبان بولنی شروع کی۔ چنانچہ ۱۶۶ھ کا ایک قرطاس ملا ہے جس میں نظم ونسق کے کاروبار کے لئے یونانی زبان استعمال کی گئی ہے۔(۵۹) دوسری صدی ہجری کے آخر میں یونانی زبان الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتی تھی اور تیسری صدی میں ''بطریک'' کو مجبوراً اپنے تمام احکام عربی زبان میں نافذ کرنے پڑے تاکہ عیسائی عوام انھیں سمجھ سکیں۔ بہر کیف بحیثیت مجموعی عبداللہ کامیاب نہیں رہا۔ اول تو ۸۷ھ میں مصر میں ایسا قحط پڑا جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی اور اس قحط کو لوگوں نے عبداللہ کی نحوست سے منسوب کیا۔ دوسرے اُس کا مقصد صرف اپنا بھلا کرنا اور دولت جمع کرنا تھا۔ اسی وجہ سے اہل مصر اُسے ''مُکَیِّس'' کہتے تھے۔(۶۰) اہل مصر نے اُس پر یہ بھی الزام لگایا تھا کہ وہ رشوتیں لیتا ہے اور بیت المال سے رقوم غبن کرتا ہے۔ آخر ان شکایات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۹۰ھ میں خلیفہ ولید نے اُسے معزول کر کے قُرَّ ۃ بن شریک کو صلاۃ وخراج پر مقرر کیا۔

مصر کی تدوین نو اور احیاء الموات

۹۵ھ میں قرۃ بن شریک نے مصر کی تیسری مرتبہ تدوین کرائی۔ گوتفصیلات مفقود ہیں لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ عبدالعزیز بن مروان کی دوسری اور قرۃ بن شریک کی تیسری تدوین کی درمیانی مدت میں عرب قبائل نے اول تو مصر ہی میں کثرت سے نقل مکانی کی تھی اور غالباً باہر سے بھی عربوں کی اتنی بڑی تعداد مصر میں داخل ہو کر وہاں متوطن ہوئی تھی کہ اس نئی تدوین کی ضرورت پڑی۔ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں کہ عبدالملک نے جب یہ تجویز دی تھی کہ ان ذمیوں سے جو مسلمان ہو گئے تھے، جزیہ وصول کیا جائے تو عبدالعزیز نے اُس کی مخالفت کی تھی۔ گو ہمیں علم نہیں کہ یہ تبدیلی کس سنہ میں ہوئی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قرۃ بن شریک نے عبدالملک کی پرانی خواہش پوری کر دی تھی اور ایسے ذمیوں پر جزیہ عائد کر دیا تھا۔ کیونکہ ۱۰۰ھ میں عمر بن عبدالعزیز نے اپنے صاحب الخراج حیان بن شریح کو حکم دیا تھا کہ ان ذمیوں پر سے جو مسلمان ہو گئے ہوں جزیہ اٹھا لے۔(۶۱) مگر آپ کا حکم بے اثر رہا۔قرۃ بن شریک کے زمانے کی ایک اور اہم تبدیلی کا پتہ ایک پرانے قرطاس سے چلتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی عہد میں پہلی مرتبہ محاصل عائد کرنے میں شمسی اور قمری سال کا فرق کیا گیا تھا۔(۶۲) قرۃ کا ایک اور بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ان اراضی کو جو اب تک ناقابل زراعت سمجھی جاتی تھیں زراعت کے قابل بنایا۔ برکۃ الجش کو جسے بعد میں ''اصطبل قرۃ'' کہنے لگے تھے اس نے قابل زراعت بنایا اور جہاں تک ہماری تحقیق ہے اُسی نے مصر میں پہلی مرتبہ نے شکر کاشت کی۔(۶۳) ''احیاء الموات'' کا یہ واقعہ معمولی نہیں تھا کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق ایسی

زمینوں کو جو شخص ''زندہ'' کرے وہی اُس کا مالک قرار پاتا ہے۔ اب اگر مسلمان ان زمینوں کو قابل زراعت بنالیں تو وہ صرف عشر ادا کریں گے اور خراج سے بری رہیں گے۔ حالانکہ باقی ماندہ جائدادیں جو خرید وفروخت کے ذریعے مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھیں وہ بستی کے مجموعی محاصل میں شریک تھیں۔ ان محاصل سے آزاد رہنے کا بہترین طریقہ ''احیاء الموات'' تھا۔ اس کے علاوہ اس ذریعے سے خالص عرب نوآبادیاں قائم ہوسکتی تھیں۔ ۹۲ھ میں خلیفہ ولید کے حکم سے قرۃ بن شریک نے جامع مسجد میں اضافہ کیا۔ شعبان ۹۲ھ میں اس کام کا آغاز ہوا اور ۹۴ھ میں نئی تعمیر مکمل ہوگئی۔ قرۃ نے جامع مسجد میں منبر (المنبر الجدید) نصب کرایا۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے بعد یہ قدیم ترین منبر تھا۔ (۶۴) ۹۶ھ میں قرۃ بن شریک نے ولایت مصر کے دوران میں وفات پائی۔

اب تک مصر میں صرف ایک مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ نظم ونسق کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ۳۵ھ میں عبداللہ بن سعد ابی سرحؓ حضرت عثمانؓ سے ملنے گئے تو انھوں نے ''علی الصلاۃ اور علی الخراج'' دو آدمیوں کا اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا۔ لیکن یہ انتظام عارضی تھا اور مرکزی حکومت سے کوئی منظوری نہیں لی گئی تھی بلکہ اندرونی طور پر حاکم مصر نے یہ انتظام کرلیا تھا لیکن قرۃ بن شریک کے بعد نظم ونسق کی تقسیم مستقل ہوگئی اور واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت ہی مہتم بالشان تبدیلی تھی کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک عرب ملکی انتظام کے علاوہ مالی معاملات بالکلیہ اپنے ہاتھ میں لے چکے تھے اور قبطیوں کی اجارہ داری بالکل ختم ہوگئی تھی۔ ولید کی وفات پر خلیفہ سلیمان نے عبدالملک بن رفاعہ کو ۹۶ھ میں مصر کا والی مقرر کیا مگر صرف علی الصلاۃ۔ (۶۵) وہ ۹۹ھ یعنی سلیمان کی وفات تک وہاں رہا اور اس کے ساتھ اُسامہ بن زید التنوخی مصر کا صاحب الخراج مقرر ہو۔ (۶۶) اسامہ بن زید موالئ امیر معاویہ میں سے تھا۔ دمشق کا رہنے والا تھا اور شہزادگی کے زمانے میں یزید بن عبدالملک کا کاتب تھا۔ اس طرح وہ دارالخلافہ کے تجربہ کار افسروں میں سے تھا۔ وہ مصر کا صرف صاحب الخراج مقرر ہوا تھا مگر اس کی شخصیت کا اثر اتنا تھا کہ طبری اور ابن الاثیر دونوں اسے حاکم مصر لکھتے ہیں۔ (۶۷) مقریزی نے لکھا ہے خلیفہ سلیمان کے زمانے میں اُسامہ بن زید نے مصر سے ایک کروڑ بیس لاکھ دینار بطور محاصل وصول کئے تھے۔ (۶۸) بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اسامہ سے سخت ناراض تھے۔ چنانچہ ۹۹ھ میں سلیمان کی وفات کے وقت اُسامہ بدستور مصر کا صاحب الخراج تھا لیکن عمر بن عبدالعزیز کی ناراضگی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے سلیمان کے دفن ہونے سے قبل اُس کی قبر کے قریب بیٹھ کر اُسامہ کی معزولی کا حکم لکھا۔ (۶۹)

مالیاتی وانتظامی امور میں تبدیلیاں

خلیفہ ہوتے ہی عمر بن عبدالعزیز نے مالیات کے مسائل پر غور کیا۔ انھوں نے اس ضمن میں جو کیا وہ اہم

بھی تھا اور دیرپا بھی۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ مالیات میں جو ابتری واقع ہو رہی ہے اُسے روک دیں۔ اُن کا خیال تھا کہ اس ابتری کی بڑی وجہ یہ تھی کہ تنظیم اراضی میں خرابی واقع ہو رہی تھی۔ اس لئے انھوں نے دو کام کئے۔ اول تو انھوں نے وہ تمام قطائع جو ان کے پیشرو اپنے اہل خاندان کو دے گئے تھے واپس لے کر عامۃ المسلمین کو دے دیئے اور اس کے علاوہ حکم دیا کہ اب مسلمان زمینیں نہ خریدیں۔(۷۰) دوم انھوں نے مصر کے عمال کو فوراً تبدیل کیا۔ عبدالملک بن رفاعہ کی جگہ ایوب بن شرجیل بن اکسوم ''علی الصلاۃ'' اور اُسامہ بن زید کی جگہ حیان بن شریح کو ''صاحب الخراج'' مقرر کیا گیا۔ نظم و نسق پہلے کی طرح اب بھی دو حصوں میں منقسم رہا۔

ابن عبدالحکم نے بیان کیا ہے کہ حیان بن شریح نے تجویز کی تھی کہ جو قبطی مر گئے ہیں ان کا جزیہ زندہ قبطیوں پر لگایا جائے۔ خلیفہ نے عراک بن مالک سے مشورہ کیا اور عراک نے یقین دلایا کہ ان کا اور ہمارا کوئی عہد نہیں اور وہ بمنزلہ غلام کے ہیں۔(۷۱) اس پر حیان کی تجویز منظور کر لی گئی۔ ایک روایت اسی کتاب میں یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خود ہی حیان بن شریح کو لکھا تھا کہ مصر بزورِ شمشیر فتح ہوا ہے اور اہل مصر کے ساتھ ہمارا کوئی عقد یا عہد نہیں ہے۔(۷۲) لیث بن سعد نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے کہ جزیہ سروں پر لگایا جاتا ہے، زمینوں (جائیداد غیر منقولہ) پر نہیں لگایا جاتا۔ اس سے ان کی مراد اہل الذمہ ہیں۔(۷۳) اس کے علاوہ لیث بن سعد سے ایک دوسری روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ان ذمیوں پر جو اسلام لے آئے تھے جزیہ اٹھا لیا تھا اور ان نومسلموں کو ان عرب عشائر کے ساتھ دیوان میں ملحق کر دیا تھا جن کے ہاتھ پر وہ مسلمان ہوئے تھے، حالانکہ اس سے قبل ذمی مسلمانوں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔(۷۴) ان روایات سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک مصر بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا اور جزیہ قریوں پر لگایا گیا تھا۔ اہل قریہ میں سے جو مر جائے اس کا جزیہ بہرحال قائم رہتا تھا اور کسی صورت میں قابل معافی نہیں تھا۔(۷۵)

ہمارے نزدیک مندرجہ بالا روایات میں جہاں کہیں جزیہ کا لفظ آیا ہے وہاں اس سے قبل مراد ''فی کس محصول'' نہیں بلکہ وہی پرانا خراج (باج) ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ سے قبل نومسلموں پر اس خراج کا جسے جزیہ کہا گیا ہے بار اتنا ہی تھا جتنا کہ اہل ذمہ پر۔ آپ نے یہ تبدیلی کی کہ نومسلموں پر سے جزیہ اُٹھا کر انھیں دیوان میں شریک کر لیا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح نومسلم جب جزیہ سے بری کر دیے گئے اور دیوان سے انھیں فریضہ (وظیفہ) ملنے لگا تو محاصل میں کمی ہوئی اور اخراجات میں اضافہ ہوا۔ اس سے میزانیہ میں خلل واقع ہو رہا تھا۔ ایک حد تک حیان نے اس کی تلافی اس طرح کی کہ خلیفہ کی اجازت سے مرنے والے قبطیوں کا جزیہ زندہ قبطیوں سے وصول کیا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بھی میزانیہ میں توازن قائم نہ ہو سکا اور قبطیوں پر سرکاری محاصل کا بوجھ بڑھ گیا۔ پھر لگان اراضی کی کمی

کو روکنے کی ترکیب ان کے خیال میں آئی کہ مسلمانوں کے لئے زمین خریدنا ممنوع قرار دیں تاکہ خراجی اراضی عشری اراضی میں تبدیل نہ ہونے پائیں۔ یہ تو وہ محاصل تھے جو اسلام میں قانوناً جائز سمجھے جاتے تھے۔ لیکن ان کے علاوہ رومی عہد کے دوسرے محاصل رفتہ رفتہ دوبارہ زندہ ہو رہے تھے۔(۷۶) محاصل کی اس نئی تنظیم کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ۹۹ھ میں ایوب بن شرجیل کو حکم دیا تھا کہ عطایا میں اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ پچیس ہزار دینار حاجت مندوں میں تقسیم کئے گئے۔(۷۷) دو باتیں قابل توجہ ہیں ایک طرف تو جو ذمی مسلمان ہو گئے باوجود غیر عرب ہونے کے دیوان میں شریک کیے گئے اور اس طرح دیوان خالصۃً عربوں کے لئے مخصوص نہیں رہا۔ دوسرے قبطی اپنے پرانے مواریث سے بے دخل ہوئے اور مسلمانوں نے ان کی جگہ لے لی۔

مصر کی آخری تدوین اور مردم شماری

عمر بن عبدالعزیزؒ کے جانشین یزید بن عبدالملک نے شروع میں ایوب بن شرجیل کو ولایت مصر پر بحال رکھا لیکن چونکہ نیا خلیفہ اپنے پیشرو کی مخالفت پر اڑا ہوا تھا اس لئے رمضان ۱۰۱ھ میں اُسے معزول کر کے بشر بن صفوان کو مقرر کیا۔(۷۸) ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایوب کی موت کے بعد (۱۷ رمضان ۱۰۱ھ) بشر بن صفوان کا تقرر ہوا تھا۔(۷۹) مگر اصلیت یہ ہے کہ یہ تبدیلی ایوب کی زندگی میں ہو چکی تھی اور بشر اُس کی موت کے بعد مصر پہنچا تھا۔ مصر کے اہل دیوان کے عطایا میں جو اضافہ عمر بن عبدالعزیز نے کیا تھا وہ خلیفہ یزید کے حکم کے مطابق منسوخ کیا گیا۔ بشر کی مختصر سی ولایت کا سب سے بڑا واقعہ یہ ہے کہ اس کے زمانے میں چوتھی اور آخری تدوین عمل میں آئی۔ الکندی نے اس کی یہ وجہ بتائی ہے کہ بشر نے دیکھا کہ قضاء کے لوگ مختلف قبائل میں منتشر ہیں۔ اس لیے اس نے خلیفہ سے اجازت چاہی کہ انھیں یکجا کر کے ان کا دیوان الگ کر دیا جائے۔(۸۰) بشر بن صفوان کا عہد حکومت بہت ہی مختصر رہا۔ ۱۰۲ھ میں اُسے حکومت افریقہ منتقل کر کے اُس کے بھائی حنظلہ کو مصر میں اس کا جانشین بنایا گیا۔ اس کے زمانے میں ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں خلیفہ یزید کے حکم سے مصر کے قدیم بت توڑے گئے اور تصویریں مٹائی گئی گئیں۔(۸۱) لیکن اب خلیفہ یزید نے ایسے شخص کو مصر کا صاحب الخراج مقرر کیا کہ والیان مصر کے بجائے ہماری تمام توجہ اسی پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ یہ شخص عبیداللہ بن الحجاب مولائے بنی سلول تھا(۸۲) جس کا نام عبداللہ بن الحجاب بھی لکھا جاتا ہے۔ اس کی تاریخ تقرر کے متعلق بیکر کو بہت شبہ ہے اور آخر اُس نے ابن تغری کی پیروی میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ ۱۰۴ھ میں مصر کا صاحب الخراج مقرر ہوا تھا۔(۸۳) اس کے برعکس گروہمان اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ حنظلہ بن صفوان (۱۰۲ھ سے ۱۰۵ھ) سے قبل ہی وہ صاحب الخراج مقرر ہو چکا تھا کیونکہ حیان بن شریح کے بعد پتہ نہیں چلتا کہ ۱۰۴ھ تک مصر کا صاحب الخراج کون رہا تھا۔ غالبًا یہی وہ زمانہ ہے جب ۱۰۱ھ یا ۱۰۳ھ میں عبیداللہ

بن الحجاب کا تقرر ہوا ہے۔(۸۴)

عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کے بعد مصر کا خراج فساد کے بڑھ جانے اور اکثر اراضی کی تباہی اور جنگوں کی وجہ سے برابر گھٹتا گیا اور بنوامیہ اور بنوعباس کے خلفا تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ کر سکے۔ سوائے ہشام کے جس نے عبیداللہ کو حکم دیا تھا کہ مصر کو آباد کرنے پر توجہ کرے۔مقریزی کے مطابق اُس نے ذاتی طور پر تمام ملک کا دورہ کیا اور غیر آباد زمینوں کی جہاں تک وہ دریائے نیل سے سیراب ہوتی تھیں پیائش کی۔اُس نے دیکھا کہ تین کروڑ فدان (ایکڑ) زمین اُن زمینوں کے علاوہ تھی جو طغیانی کی سرحد سے بلند تھیں اور یہ وہ زمینیں تھیں جو خس وخاشاک سے پر ہو کر نا قابل زراعت ہوگئی تھیں۔اس نے ان سب کی فہرست تیار کی اور انتہائی عدل کے ساتھ انھیں دوبارہ تقسیم کیا۔(۸۵) نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے چالیس لاکھ دینار خراج وصول کیا حالانکہ غلہ سستا تھا اور ملک میں کوئی اور محصول یا چونگی بھی نہ تھا۔ابن خرداذ بہ نے لکھا ہے کہ عبیداللہ نے ستائیس لاکھ تیئیس ہزار آٹھ سو اڑتالیس دینار وصول کئے تھے۔(۸۶) یہاں ابن خرداذ بہ کو غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ درحقیقت یہ وہ رقم تھی جو اہل مصر کے عطیات اور دیگر اخراجات کے بعد دمشق کے مرکزی خزانے کو روانہ کی گئی تھی۔

سیوطی نے لیث بن سعد سے روایت کی ہے کہ جب ولید بن رفاعہ والئ مصر ہوا تو وہ ملک کی مردم شماری کے لئے نکلا اور یہ بھی دیکھنا چاہا کہ خراج میں تعدیل سے کام لیا جا رہا ہے یا نہیں۔چنانچہ اس نے چھ مہینے مصر صعید کا دورہ کیا اور اُسوان تک پہنچا۔کاتبوں اور مددگاروں کی ایک جماعت اس کے ساتھ تھی جو اس کام کو بڑی تندہی سے جلدی جلدی انجام دیتے تھے۔مصر اسفل میں اُس نے تین مہینے صرف کئے۔اُس نے قریوں میں دس ہزار قریے شمار کئے جن میں وہ گاؤں شامل نہیں تھے جن کی آبادی پانچ سو سے کم تھی اور جزیہ دینے والوں میں سے پچاس لاکھ آدمی شمار کئے۔(۸۷) ابن رفاعہ کی یہ تحقیق اور مردم شماری کیا نئی چیز تھی یا اس نے محض اس کام کو جاری رکھا تھا جو ابن الحجاب شروع کر چکا تھا؟ قرین قیاس یہ ہے کہ ابن رفاعہ نے یہ کام جاری رکھا تھا اور وہ یہ دیکھنے نکلا تھا کہ ابن الحجاب کے بنائے ہوئے قواعد پر صحیح طور پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔

بنوامیہ کا زوال اور بنوعباس کی اصلاحات

عبیداللہ بن الحجاب اور ولید بن رفاعہ کی اصلاحات پہلی صدی ہجری کی آخری اصلاحات تھیں اور یہی زمانہ مصر میں عرب حکومت اور عرب قوم کے انتہائی عروج کا بھی تھا۔یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان اصلاحات کی وجہ سے جزیہ اور خراج میں فرق قائم کیا گیا اور پرانے جزیہ یا خراج کو باقی رکھ کر نئی پیمائش کے مطابق لگان اراضی عائد کیا گیا۔اس کے بعد خلیفہ ہشام کے زمانے میں کسی بڑی تبدیلی کا ذکر نہیں ملتا۔خلیفہ کا انتقال ۱۲۵ھ میں ہوا اور

سات سال بعد ۱۳۲ھ میں بنو امیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ ان انقلابات سے مصر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ چنانچہ اسی سات سال کے عرصے میں ہمیں یہ عجیب وغریب بات دکھائی دیتی ہے کہ عرب خود اپنی ہی حکومت اور حاکم کے خلاف متعدد مرتبہ شورش اور فساد برپا کرتے ہیں اور حالات میں سکون پیدا کرنے کے بجائے انتشار میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ خود بنو امیہ کے افراد بھی جو مصر میں موجود تھے نہایت ناعاقبت اندیشی سے ان شورشوں میں حصہ لیتے ہیں اور مصر میں اپنے خاندان کی حکومت کو تباہ کرنے میں بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔

۱۳۲ھ میں اہل مصر نے برضا ورغبت اپنا ملک نئے خاندان خلافت کے سپرد کر دیا۔ بنو عباس اپنے آپ کو ابتداء ہی سے بڑی حد تک عربوں سے مستغنی سمجھتے تھے اور عراق میں ان کی حکمت عملی شروع ہی سے یہ تھی کہ خراسانیوں یا عجمیوں کو عربوں پر ترجیح دی جائے۔ شروع میں مشرقی صوبوں کے حاکم ضرور خاندان خلافت سے ہوتے تھے مگر ان سب کے مشیر اور مددگار عجمی تھے۔ مصر کے حالات اس سے مختلف تھے۔ اول تو وہاں عربوں کا اقتدار اس قدر مستحکم تھا کہ انھیں فوراً بے دخل کرنا ناممکن بھی تھا اور پرخطر بھی۔ دوسرے چند ہی سال قبل عربوں کی نو آبادی میں سرکاری اور غیر سرکاری طور پر جو اضافہ ہوا تھا اُس سے ان کی آبادی اتنی بڑھ گئی تھی کہ انہیں نظر انداز کرنا آسان نہیں تھا۔ لہٰذا کم وبیش سو برس تک بنو عباس نے عربوں کو ان کی جگہ پر قائم رکھا اور مصر کے تمام ملازمین عرب ہی رہے۔ مگر ناممکن تھا کہ یہ حالات ہمیشہ باقی رہتے۔

مصر پر قبضہ کرنے کے بعد خلیفہ ابو العباس سفاح نے اپنے چچا صالح بن علی کو وہاں کا ''علی الصلاۃ و الخراج'' حاکم مقرر کیا۔ اول تو اُس نے بنو امیہ کے ہمدردوں کو گرفتار کرا کے قتل کرایا اور پھر بنو امیہ کے افراد کو جن میں عبد العزیز بن مروان کی اولاد بھی شامل تھی گرفتار کرایا لیکن انھیں بجائے مصر میں قتل کرانے کے فلسطین کے شہر قلنسوہ میں لے جا کر قتل کیا گیا۔ (۸۸) اس سخت گیری کے ساتھ ساتھ صالح بن علی نے ''مقاتلہ'' اور ان کے خاندانوں میں عطیات اور یتیموں اور مسکینوں میں صدقات تقسیم کئے۔ اس نے ان لوگوں میں قطائع بھی تقسیم کیے جنھوں نے سیاہ رنگ اختیار کر لیا تھا۔ الکندی نے ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں جنھیں یہ قطائع دیئے گئے تھے۔ (۸۹) اب قطائع کی حیثیت وہ نہیں تھی جو ہم مروان بن عبد العزیز کے زمانے میں دیکھ آئے ہیں بلکہ ہر لحاظ سے باقاعدہ جاگیریں تھیں۔ صالح بن علی نے فسطاط کی مسجد میں بھی اضافہ کرایا۔ اسی عہد میں پہلی مرتبہ ''دیوان الجند'' کا بھی ذکر آتا ہے۔ (۹۰) خلیفہ ابو جعفر منصور کی طرف سے یزید بن حاتم المہلبی ذی القعدہ ۱۴۴ھ میں حاکم مقرر ہو کر مصر پہنچا اور ۱۵۲ھ تک وہاں رہا۔ اس کے عہد میں تو مصر میں پہلی مرتبہ بنو علیؑ کی دعوت کا ظہور ہوا اور بنو حسن میں سے علی بن محمد بن عبد اللہ بن حسن پہلے علوی تھے جو مصر میں داخل ہوئے۔ (۹۱) مگر ذی الحجہ ۱۴۵ھ میں جب

ابراہیم بن عبداللہ کا سر مصر میں گشت کرانے کے لئے بھیجا گیا تو یہ دعوت بالکل ختم ہوگئی۔

سماجی ،تہذیبی اور معاشی امور میں عربوں کا نفوذ

اصل یہ ہے کہ اب تک مصر میں ایک بہت بڑی معاشرتی ،سیاسی اور معاشی تبدیلی ہو چکی تھی۔ابن الحجاب کی کوششوں کا صریحاً نتیجہ یہ ہوا تھا کہ عرب باقاعدہ طور پر زراعت میں لگ گئے تھے اور حکومت نے انھیں اس میں مدد دی تھی۔گو ابتدائی عہد میں زراعت کرنا عربوں کے لئے قانوناً منع تھا لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ اس طرف سے ہمیشہ غافل رہے تھے۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ زمینوں پر قابض ہوتے جارہے تھے اور اس وقت تک باقاعدہ طور پر زمینوں سے وابستہ ہو گئے تھے۔ جوں جوں عرب اراضی پر آباد ہوتے گئے اور جوں جوں اسلام اور عربی تہذیب پھیلتی گئی عرب عناصر کا زور ملک میں بڑھتا گیا۔لیکن اس کے ساتھ قبطیوں سے عربوں کا میل جول بھی بڑھا اور آہستہ آہستہ دونوں قوموں کے مفاد جو اب تک الگ الگ تھے ایک ہوتے چلے گئے۔ دونوں میں اتحاد قائم ہوگیا اور امتیازات اٹھتے گئے۔عربوں کے سیاسی اور معاشرتی تفوق کے خاتمے کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ عربوں نے ان محاصل کے خلاف احتجاج کیا جو خود انہیں کی حکومت نے عائد کئے تھے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب وہ حاکم اور مالک کی حیثیت نہیں رکھتے تھے بلکہ عام آدمی کا ایک جزء بن گئے تھے۔

قبطیوں اور عربوں کی باہمی بغاوتیں

عرب اب ریاست کے مددگار ہونے کے بجائے ایک مصیبت ثابت ہو رہے تھے۔ چنانچہ ۱۶۳ھ میں عربوں ہی کی وجہ سے ملک میں بدامنی کا اس حد تک دور دورہ ہوا اور راستے اس قدر غیر محفوظ ہو گئے کہ ایک سخت گیر حاکم یحییٰ بن داؤد کو مصر بھیجا گیا۔سخت گیری کے باوجود مورخ اس کی قابلیت کے ثناءخواں ہیں۔اُس نے امن وامان قائم کیا اور حکم دیا کہ رات کو کوئی شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے نہ سوئے اگر چوری ہوگئی تو تمام مال کی واپسی کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔(۹۲) لیکن ۱۶۷ھ میں پھر بدامنی کا دور دورہ ہوا اور اس وقت بھی اس کی ذمہ داری عربوں پر تھی۔اسحاق بن سلیمان عباسی (امیر مصر) نے ۱۷۸ھ میں مزارعین کے خراج میں اضافہ کیا۔اس پر اہل حوف الشرقی نے بغاوت کی اور اسحاق کے خلاف لشکر تیار کیا۔اسحاق ان کے مقابلے میں ناکام رہا اور بالآخر خلیفہ ہارون الرشید سے مدد مانگنے پر مجبور ہوا۔خلیفہ نے ہرثمہ بن اعین کو مصر بھیجا جس نے اہل حوف کو سمجھا بجھا کر مطیع کر لیا اور انھوں نے خراج بھی ادا کر دیا۔(۹۳) ۱۸۶ھ میں لیث بن فضل کے خلاف اہل حوف نے بغاوت کی۔ وجہ یہ ہوئی کہ لیث نے اراضی کی نئی پیائش کرائی تھی اور پیائش کرنے والوں نے قبضہ میں چند انگشت کی کمی کر دی تھی۔ اہل حوف نے شکایت کی اور جب شنوائی نہ ہوئی تو انھوں نے فسطاط پر چڑھائی کر دی۔لیث مقابلے کے لئے نکلا۔اس موقعے پر

بھی مستقل فوج نے غداری کی۔ مگر اس کے باوجود وہ مفسدوں پر غالب آیا اور اہل حوف ناکام اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ ۱۸۷ھ میں لیث بن فضل معزول ہوا اور احمد بن اسماعیل امیر مصر مقرر کیا گیا۔ (۹۴) ۱۹۱ھ میں ایک ایسی ہی بغاوت خراج کی ادائی کے متعلق حسین بن جمیل کے عہد ولایت میں ہوئی۔ یہ بغاوت اتنی خطرناک تھی کہ اس کے اثرات شام تک پہنچے اور بالآخر ہارون الرشید نے اپنے ایک افسر یحییٰ بن معاذ کو مصر بھیجا۔ یحییٰ بن معاذ نے بغاوت فرو کی اور واپس جاتے وقت قیسہ اور یمانیہ کے دو رئیسوں کو فسطاط بلا کر دھوکے سے گرفتار کر لیا۔

مصر میں ترکوں کا نفوذ اور اس کے اسباب

۲۱۳ھ میں مامون نے مصر کو اپنے بھائی معتصم کے سپرد کر دیا تھا اور اس وقت سے معتصم ہی وہاں کا والی مقرر اور معزول کرتا تھا۔ محض ''کیدر'' ایک والی تھا جو مامون کی طرف سے مقرر ہوا تھا۔ (۹۵) ۲۱۴ھ میں جب معتصم مصر آیا تو حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے آیا تھا۔ اس کے دو سال بعد ہی ۲۱۶ھ میں سب سے زیادہ خطرناک بغاوت ہوئی جس میں قبطیوں اور عربوں نے پھر متحدہ محاذ قائم کیا۔ معتصم کی طرف سے عیسیٰ بن منصور حاکم تھا اور حوف الشرقی کی یہ بغاوت اس کے عمال کی بداعمالی کا نتیجہ تھی۔ باغیوں نے عمال کو نکال دیا۔ حکومت اب بالکل مجبور تھی اور ہر طرف فتنہ فساد کا بازار گرم تھا۔ مشہور ترک سپہ سالار افشین بغاوت کو فرو کرنے آیا مگر ناکام رہا۔ بالآخر مامون کو اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے خود آنا پڑا۔ ۱۲ صفر ۲۱۷ھ کو مامون بغداد واپس چلا گیا۔ ۲۱۸ھ میں مامون کی وفات پر معتصم خلیفہ ہوا۔ اس نے کیدر (حاکم مصر) کو اپنی بیعت کی اطلاع دی اور ساتھ ہی حکم دیا کہ دیوان سے عربوں کے نام کاٹ دیئے جائیں اور ان کے عطیات بند کر دیے جائیں کیدر نے اس پر عمل کیا۔ (۹۶) مصر میں عربوں کی اصلی اہمیت قدرتی طور پر فوجی خدمت سے وابستہ تھی اور جب یہ خدمت ان کے ہاتھ میں نہ رہی تو ظاہر ہے کہ وہ تمام سیاسی اقتدار بھی کھو بیٹھے اور عام مصریوں میں مل جل گئے۔

عربوں کی بغاوت فرو کرنے کے لئے معتصم ترکوں کی فوج اپنے ساتھ لایا تھا۔ اب معتصم نے عربوں کے عطیات مسدود کرائے اور اس سے بھی زیادہ دور رس تبدیلی یہ ہوئی کہ ۲۱۹ھ میں اُس نے ایک ترک امیر اشناس کو ملک مصر جاگیر میں دے دیا اور مصر میں منبروں پر سے اُس کے لئے دعا کی گئی۔ (۹۷) یہ ایسی سرفرازی تھی کہ اس سے قبل کسی والئی مصر کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ والی کا تقرر اور تعزل بھی اُسی کے سپرد کر دیا گیا۔ ۲۳۰ھ میں اشناس کا انتقال ہوا تو ایک اور ترک امیر ایتاخ مصر میں اس کا جانشین ہوا۔ اب عربوں کا زوال مکمل ہو چکا تھا اور مصر ترک امیروں کی جاگیر کی حیثیت رکھتا تھا۔ پھر بھی ۲۴۲ھ تک عرب والی مقرر ہوتے رہے۔ آخری عرب حاکم مصر عنبسہ بن اسحاق الضبی تھا اور وہی آخری حاکم تھا جس نے لوگوں کے ساتھ صلاۃ میں شرکت کی۔ (۹۸)

خلاصہ بحث

۲۰ ھ سے ۲۴۲ھ تک کم وبیش ۲۲۲ سال مصر پر عربوں کی حکومت رہی۔۲۴۲ھ میں عربوں کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہوا اور اس کے بعد ترکوں کا دور شروع ہوا۔عہد فاطمین میں ابتدأء بربری قبیلہ کتامہ کا زور رہا مگر ان کی سرزوری سے خلیفہ العزیز مالیہ (۳۶۵ھ سے ۳۸۶ھ) کو مجبوراً توازن قوت قائم رکھنے کے لئے ترکوں کو مصر آنے کی دعوت دینی پڑی۔اس کے بعد ترک مصر کی سیاسیات پر پھر غالب آئے۔اگر اس مختصر سے زمانے کو نظر انداز کر دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ترک اب صدیوں سے ملک کے مالک اور حکمران تھے۔مگر عربوں نے اپنے جو آثار مصر میں چھوڑے اور جو اب تک اپنا کام کر رہے ہیں وہ اس قدر ظاہر و باہر ہیں کہ ان پر بحث کرنا تحصیل لا حاصل ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(1) Arnold,W.T: Roman System of Provincial Administration, Oxford, 1914,P:130

(۲) ابوعبداللہ،محمد بن سعد،الطبقات الکبریٰ،دار الکشاف،بیروت،۱۹۶۰ء،ج۳،ص۲۲۴

(۳) ابن عبدالحکم،ابوالقاسم عبدالرحمٰن، فتوح مصر و اخبارھا،بریل لیدن،۱۹۲۰ء،ص۵۳

(۴) الکندی،ابوعمر محمد بن یوسف، کتاب الولاۃ و القضاۃ،مطبعۃ السعادۃ،مصر،۱۹۰۸ء،ص۱۰۔۹

(۵) المراکشی،ابن العذاری، البیان المغرب فی اخبار المغرب، بریل لیدن،۱۸۴۸ء،ج۱،ص۹

(۶) الکندی،ابوعمر محمد بن یوسف،کتاب الولاۃ و القضاۃ،ص۱۲

(۷) المقریزی،تقی الدین احمد بن علی،کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار،المطبعۃ الکبریٰ الامیریہ، بولاق،۱۲۷۰ھ،ج۱،ص۲۰۰

(۸) الکندی،ابوعمر محمد بن یوسف،کتاب الولاۃ و القضاۃ،ص۱۱

(۹) السیوطی، جلال الدین، حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و القاھرہ،دار احیاء الکتب العربیہ،مصر، ۱۹۶۷ء،ج۱،ص۷۷۔۷۶

(۱۰) ابن عبدالحکم،ابوالقاسم عبدالرحمٰن، فتوح مصر و اخبارھا،ص۹۱

(۱۱) المقریزی، تقی الدین احمد بن علی، کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار، ج۱،ص۲۹۷

(۱۲) ابن عبد الحکم اور مقریزی نے اس کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ملاحظہ ہو:فتوح مصر و اخبارھا،ص۱۴۳۔۱۴۱ اور کتاب المواعظ، ج۱،ص۲۶۱۔۲۶۰

(۱۳) ابن عبد الحکم، ابوالقاسم عبدالرحمٰن، فتوح مصر و اخبارھا،ص۱۴۲

(۱۴) السیوطی، جلال الدین، حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و القاهره، ج۱،ص۷۶۔۷۵

(۱۵) المقریزی، تقی الدین احمد بن علی، کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار، ج۱،ص۷۹

(۱۶) الکندی، ابوعمر محمد بن یوسف، کتاب الولاة والقضاة،ص۶۸

(۱۷) ابن تغری بردی، جمال الدین، النجوم الزاهره فی ملوك المصر والقاهره، ج۱،ص۲۷۲

(۱۸) المقریزی، تقی الدین احمد بن علی، کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار، ج۱،ص۷۶

(۱۹) البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر، فتوح البلدان، شرکۃ طبع الکتب العربیۃ، مصر، ۱۳۱۹ھ،ص۳۳۱۔۳۲۶

(۲۰) اس کا ذکر ابن عبد الحکم نے فتوح مصر و اخبارھا،ص۱۴۲اور مقریزی نے کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار، ج۱،ص۷۶میں کیا ہے۔لیکن ضیافت کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:الشافعی، محمد بن ادریس، کتاب الام، المطبعۃ الکبریٰ الامیریہ، بولاق ۱۳۲۲ھ، ج۴،ص۱۲۴۔۱۲۳

(12) Becker,Charles: Beitrage Zur Geschichte Agyptens unter den Islam,Strassburg,1903Vol:2,P:84

(۲۲) المقریزی، تقی الدین احمد بن علی، کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار، ج۱،ص۹۸۔سیوطی (حسن المحاضرہ، ج۱،ص۸۷) کے مطابق ۲۰ھ میں عمر بن العاصؓ نے دس لاکھ دینار اور ۲۳ھ میں بابلیون کی فتح کے بعد ایک کروڑ بیس لاکھ دینار خراج وصول کیا تھا۔تاہم بلاذری نے (فتوح البلدان،ص۲۲۳ میں) بیس لاکھ لکھا ہے۔بٹلر (Buttler) کے مطابق یہ راقم کی غلطی ہے کہ ایک کروڑ حذف ہوگیا اور محض بیس لاکھ رہ گیا۔تفصیل کے لیے دیکھئے: Buttler,Alfred: The Arab conquest of Egypt,Oxford,1922,P:453-454

(23) Becker,Charles: Beitrage Zur Geschichte Agyptens unter den Islam,Vol:2,P:88

(۲۴) البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر، فتوح البلدان،ص۶۷۔۶۶

(۲۵) ابی الفرج، عبدالرحمٰن بن احمد، الاستخراج لاحکام الخراج، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۵ء،ص۵

(26) Milne: Egypt under the Roman Rule,Oxford,1898,P:119-125

(27) Buttler,Alfred: The Arab conquest of Egypt,P:453-454

(۲۸) الخوارزمی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، مفاتیح العلوم، بریل لیدن، ۱۳۴۹ھ، ج۵، ص۵۰

(۲۹) البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان، ص۲۲۴۔۲۲۳

(۳۰) الکندی، ابوعمر محمد بن یوسف، کتاب الولاۃ و القضاۃ، ص۶۸

(۳۱) ابن تغری بردی، جمال الدین، النجوم الزاھرہ فی ملوک المصر والقاھرہ، مطبعۃ دار الکتب المصریۃ بالقاہرۃ، مصر، ۱۹۳۰ء، ج۱، ص۲۱۴

(۳۲) ایضاً، ج۱، ص۲۲۹

(۳۳) الکندی، ابوعمر محمد بن یوسف، کتاب الولاۃ و القضاۃ، ص۵۱

(۳۴) کتاب المواعظ (ج۱، ص۳۰۰) میں سلیم بن عمیر کا نام سلیمان بن عنتر اور کتاب الولاۃ و القضاۃ (ص۱۴) میں سلیمان بن عمیر التجیبی لکھا گیا ہے۔لیکن ابن تغری نے النجوم الزاھرہ فی ملوک المصر والقاھرہ (ج۱، ص۱۰۳) میں سلیم بن عمیر لکھا ہے اور بعض قرآئن سے جس کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں یہی درست معلوم ہوتا ہے۔

(۳۵) الکندی، ابوعمر محمد بن یوسف، کتاب الولاۃ و القضاۃ، ص۳۲۱

(۳۶) ابن تغری بردی، جمال الدین، النجوم الزاھرہ فی ملوک المصر والقاھرہ، ج۱، ص۱۷۵

(۳۷) ایضاً، ج۱، ص۲۳۳

(۳۸) ایضاً، ج۱، ص۱۸۴

(۳۹) الکندی، ابوعمر محمد بن یوسف، کتاب الولاۃ و القضاۃ، ص۴۷

(۴۰) ایضاً، ص۴۸

(۴۱) یاقوت حموی، معجم البلدان، دار صادر، بیروت، ۱۹۵۷ء، ص۱۳۱

(۴۲) المقریزی، تقی الدین احمد بن علی، کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار، ج۱، ص۳۰۲

(۴۳) ابن تغری بردی، جمال الدین، النجوم الزاھرہ فی ملوک المصر والقاھرہ، ج۱، ص۴۷۲

(۴۴) ابن عبدالحکم، ابوالقاسم عبدالرحمٰن، فتوح مصر و اخبارھا، ص۱۹۵

(۴۵) ابن تغری بردی، جمال الدین، النجوم الزاھرہ فی ملوک المصر والقاھرہ، ج۱، ص۱۸۴

(۴۶) الکندی، ابوعمر محمد بن یوسف، کتاب الولاۃ و القضاۃ، ص۵۱

(۴۷) ابن عبدالحکم، ابوالقاسم عبدالرحمٰن، فتوح مصر و اخبارھا، ص۹۸

(۴۸) ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۳۴۶ھ، ص۱۷

(۴۹) قطائع کی ابتداء کے متعلق تفصیلی معلومات کے لیے دیکھئے: ابن عساکر، ابو القاسم علی بن الحسن ،التاریخ الکبیر،مکتبہ ہاشمیہ، دمشق، ۱۳۲۹ھ، ج ۱ص۱۸۴۔۱۸۲ ۔اسی طرح فتوح مصر و اخبارھا،ص۱۳۹۔۱۳۲ نیزمفاتیح العلوم،ج۵،ص۳۹ میں بھی کافی معلومات ملتی ہیں۔

(۵۰) المقریزی،تقی الدین احمد بن علی،کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار،ج۱،ص۹۶

(۵۱) ابن عبدالحکم،ابوالقاسم عبدالرحمٰن ،فتوح مصر و اخبارھا،ص۱۵۴

(۵۲) ایضاً،ص۸۶

(۵۳) المقریزی،تقی الدین احمد بن علی،کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار،ج۱،ص۷۸۔۷۷

(۵۴) ابن عبدالحکم،ابوالقاسم عبدالرحمٰن، فتوح مصر و اخبارہا،ص۲۳۵

(۵۵) ایضاً،ص۱۵۶

(۵۶) المقریزی،تقی الدین احمد بن علی،کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار،ج۲،ص۴۹۲

(۵۷) الکندی،ابوعمر محمد بن یوسف،کتاب الولاۃ والقضاۃ،ص۵۵

(۵۸) المقریزی،تقی الدین احمد بن علی،کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار،ج۱،ص۹۸

(59) Becker,Charles: Beitrage Zur Geschichte Agyptens unter den Islam,Vol:2,P:130

(۶۰) تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار،ج۱،ص۳۰۲۔ابن تغری بردی نے النجوم الزاھرہ فی ملوك المصر والقاھرہ،ج۱،ص۲۳۳۔البتہ سیوطی نے حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و القاھرہ ،ج۱،ص۷۶۔۷۵ میں مکیس کی بجائے تکیس لکھا ہے۔

(۶۱) کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار،ج۱،ص۷۷ کے الفاظ ہیں''وضع عمر بن عبد العزیز الجزیة علی من اسلم من اهل الذمة'' تاہم علی کی جگہ عن پڑھنا درست ہوگا۔اسی کتاب کے صفحہ ۷۸ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

(62) Becker,Charles: Beitrage Zur Geschichte Agyptens unter den Islam,Vol:2,P:100

(۶۳) ابن عبدالحکم،ابوالقاسم عبدالرحمٰن ،فتوح مصر و اخبارھا،ص۱۲۶

(۶۴) الکندی،ابوعمر محمد بن یوسف،کتاب الولاۃ والقضاۃ،ص۶۵

(۶۵) ابن تغری بردی، جمال الدین ،النجوم الزاھرہ فی ملوك المصر والقاھرہ،ج۱،ص۱۰۳

(۶۶) المقریزی،تقی الدین احمد بن علی،کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار،ج۱،ص۵۸

(۶۷) تفصیل کے لیے دیکھئے:تاریخ ابن کثیر،مصطفیٰ البابی الحلبی،مصر۱۳۰۱ھ،ج ۵،ص۴۹اورتاریخ طبری،مکتبۃ العلم،بیروت،۱۹۶۰ء،ج۲،ص۴۳۶

(۶۸) المقریزی،تقی الدین احمد بن علی،کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار،ج۱،ص۹۹

(۶۹) ابن تغری بردی، جمال الدین،النجوم الزاہرہ فی ملوك المصر والقاہرہ،ج۱،ص۲۵۸۔اسامہ بن زید اور یزید بن ابی مسلم (کاتب حجاج بن یوسف) دونوں کی معزولی کا حکم بوقت واحد دیا گیا۔

(70) Das Arabischen Reict and Stein sturse,Berlin,1902,P:267

اس کتاب میں مصنف نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مالی حکمت عملی پر مفصل گفتگو کی ہے۔

(۷۱) ابن عبدالحکم،ابوالقاسم عبدالرحمٰن، فتوح مصر و اخبارہا،ص۸۹

(۷۲) ایضاً،ص۹۰

(۷۳) المقریزی،تقی الدین احمد بن علی،کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار،ج۱،ص۷۷

(۷۴) ابن عبدالحکم،ابوالقاسم عبدالرحمٰن، فتوح مصر و اخبارہا،ص۱۵۶

(۷۵) المقریزی،تقی الدین احمد بن علی،کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار،ج۱،ص۷۷

(76) Becker,Charles: Beitrage Zur Geschichte Agyptens unter den Islam,Vol:2,P:107

(۷۷) ابن تغری بردی، جمال الدین،النجوم الزاہرہ فی ملوك المصر والقاہرہ،ج۱،ص۲۶۴

(۷۸) الکندی،ابوعمر محمد بن یوسف،کتاب الولاۃ والقضاۃ،ص۶۹

(۷۹) ابن تغری بردی، جمال الدین،النجوم الزاہرہ فی ملوك المصر والقاہرہ،ج۱،ص۲۷۲

(۸۰) الکندی،ابوعمر محمد بن یوسف،کتاب الولاۃ والقضاۃ،ص۷۱۔۷۰

(۸۱) ابن تغری بردی، جمال الدین،النجوم الزاہرہ فی ملوك المصر والقاہرہ،ج۱،ص۲۷۸

(۸۲) المقریزی،تقی الدین احمد بن علی،کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار،ج۱،ص۲۶۱

(83) Becker,Charles: Beitrage Zur Geschichte Agyptens unter den Islam,Vol:2,P:107

(84) Grohmann,Adolf: Allgemein Einfuhrung in die arabichen Papyri,Wein,1924,P:49

اس کتاب میں دیگر والیان مصر کے متعلق بھی مفید معلومات دستیاب ہوئی ہیں۔

(۸۵) المقریزی،تقی الدین احمد بن علی،کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار،ج۱،ص۱۰۰۔۹۹

(۸۶) ابن خرداذبہ، المسالك والممالك، بریل لیدن، ۱۸۸۹ء، ص۸۴۔۸۳

(۸۷) السیوطی، جلال الدین، حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و القاهره، ج۱،ص۱۷

(۸۸) ابن تغری بردی، جمال الدین، النجوم الزاهره فی ملوك المصر و القاهره، ج۱،ص۳۶۰

(۸۹) الکندی، ابوعمر محمد بن یوسف، کتاب الولاة و القضاة، ص۱۰۱

(۹۰) ایضاً، ص۹۸

(۹۱) ایضاً، ص۱۱۵۔۱۱۱

(۹۲) ابن تغری بردی، جمال الدین، النجوم الزاهره فی ملوك المصر و القاهره، ج۱،ص۴۳۷

(۹۳) المقریزی، تقی الدین احمد بن علی، کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار، ج۱،ص۸۰

(۹۴) الکندی، ابوعمر محمد بن یوسف، کتاب الولاة و القضاة، ص۱۴۳

(95) Grohmann,Adolf: Allgemein Einfuhrung in die arabichen Papyri,P:49
لیکن المتوفی کے مطابق کیدر کو بھی معتصم ہی نے مقرر کیا تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: التوفی، محمد بن عبدالمعطی بن ابی الفتح بن احمد، کتاب اخبار الاول، المطبعۃ المنیریۃ، مصر، ۱۳۱۰ھ، ص۱۰۵

(۹۶) المقریزی، تقی الدین احمد بن علی، کتاب المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار، ج۱،ص۹۴

(۹۷) الکندی، ابوعمر محمد بن یوسف، کتاب الولاة و القضاة، ص۱۹۴

(۹۸) جس طرح عنبسہ مصر کا آخری عرب والی تھا اسی طرح ۲۴۷ھ میں احمد بن محمد المدبر آخری عرب صاحب الخراج مقرر ہوا تھا۔ ۲۵۴ھ میں جب احمد بن طولون مصر کا والی مقرر ہوا تو احمد بن المدبر وہاں موجود تھا۔ مصر کی تاریخ میں اس کی شخصیت اس قدر اہم ہے کہ الگ مضمون کی متقاضی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆